R. N. 2186/57.

Regd. No. A 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No 20

Telegrams: "ANJUMAN"

قیمت
سالانہ تین روپے
ایک پرچہ
دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

جلد ۲۰ - شمارہ ۳۷	ایڈیٹر: آل احمد سرور	علی گڑھ - یکم اکتوبر سنہ ۱۹۶۱ء

ابو علی

دیوان حضرت آسی سکندرپوری

موجودہ کتب خانہ دار المصنفین اعظم گڑھ

پروفیسر رشید احمد صدیقی کے چھوٹے بھائی نیاز احمد صدیقی پرنسپل محمد حسن انٹر کالج جون پور کے ایما سے اُردو و فارسی کی نعت منتخبہ کا ایک مجموعہ اکٹھا کیا جا رہا ہے، جو عنقریب معارف پریس، اعظم گڑھ میں چھپ کر محمد حسن انٹر کالج جون پور کی طرف سے شائع ہونے والا ہے۔

اس سے پہلے اس ادارے کی طرف سے علامہ اقبال سہیل کا اُردو فارسی کلام بھی جتنا کچھ اس وقت تک دستیاب ہو سکا تھا، نالش سہیل کے نام سے شائع ہو چکا ہے، جس میں ان کے تمام اہم نعتیہ و مدحیہ قصائد اور نظمیں آگئی ہیں، نعتوں کا یہ مجموعہ اس ادارے کا دوسرا اہم اور یادگار کارنامہ ہوگا، جس کے لئے وہ تمام ارباب ذوق و شائقین عشق رسول کے دلی شکریہ کا مستحق ہے۔

اس کے جمع و ترتیب کے سلسلے میں جناب عبد العلیم آسی غازی پوری ثم مدراسی کے کلام بلاغت التیام کے جائزہ لینے کی بھی سعادت حاصل ہوئی، کتب خانہ دار المصنفین میں ان کے دو دیوان ہیں، ایک مختصر اور ایک مفصل، مختصر میں ان کی لمبی لمبی غزلوں کے تین تین چار چار شعر لے لئے گئے ہیں، وہ بس مختصر ہی ہے، ان کے کلام کا کوئی انتخاب نہیں ہے، نہ اس ارادے سے اس کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ لیکن جو مفصل ہے اس میں غالباً ان کا پورا کلام آگیا ہے۔ اس کا ٹائٹل غائب ہو گیا ہے۔ لیکن مولانا سید سلیمان رحمۃ اللہ کے قلم سے اس پر اس کا نام اس طرح لکھا ہوا ہے:۔

ایمان سخن

یعنی

دیوان حضرت آسی سکندرپوری

دیوان ایک تو بے ٹائٹل کا ہے، دوسرے پشت کا بھی ٹائٹل غائب ہے، جس سے مطبع کا پتہ نہیں چل سکا، لیکن چھپا بہت صاف ستھرا ہے۔ کاغذ بھی مضبوط ہے جس پر بہت عرصہ تک قدامت اور کہنگی کا اثر نہیں پڑ سکتا۔ پہلے ردیف وار غزلیں ہیں ان میں پہلی حمد میں ہے، اور دوسری نعت میں، اس ۳۳ کی ایک پوری غزل حضرت غوث پاک کی منقبت میں ہے جو بہت ہی پرسوز ہے ایک غزل کوئی پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت میں ہے جن کے وہ بے حد عقیدت کیش معلوم ہوتے ہیں، لکھتے ہیں:۔

کر دیا دولت کونین سے آسی کو غنی

واہ رے گنج تولائے شہ ارشد

اس کے بعد قصائد ہیں، جو نواب کلب علی خاں والی رام پور اور محبوب علی خاں والی حیدرآباد کی مدح میں ہیں۔ پھر رباعیات ہیں اس کے بعد ایک مثلث، دو سلام، ایک منقبت جو حضرت علی کرم اللہ رضی اللہ کی شان میں ہے، پھر قطعات تاریخ، سہرے، پہیلیاں، مولانا حالی، حکیم مومن، ناسخ، خواجہ پرسس، خواجہ وزیر کی غزلوں پر تضمینات ہیں، غزلوں میں بعض پوری پوری نعتیہ غزلیں ہیں، ایک آدھ شعر نعت کے دوسری غزلوں میں بھی آگئے ہیں۔ حضرت آسی کا وہ مشہور شعر جو ان کے غلبۂ حال کا نتیجہ ہے۔ اور جس کو ارباب شریعت پسند نہیں کرتے، وہ ان کی سات شعروں کی ایک غزل کا پہلا شعر ہے:۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر

اُتر پڑا ہے مدینے میں مصطفا ہو کر

اس غزل کا ایک شعر یہ بھی ہے:۔

فراز حجرۂ دل عاشق کجا حسیناں را
وہ آ کھڑے ہوئے مرے دل میں جابجا ہوکر

پوری غزل بہت مرصع اور سوز و گداز سے لبریز ہے۔

متقدمۃ الذکر شعر کی طرح ایک نعتیہ غزل کا یہ شعر بھی:-

دیکھا خدا کے پردے میں موسیٰ نے طور پر
لمعان برق جلوۂ رخسار مصطفےٰ

شعر قابل نظر ہے۔

حضرت آسی کا یہ مشہور شعر بھی باختلاف الفاظ زبان زد خاص و عام ہے:-

وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

ایک ایسی غزل کا جو گیارہ شعروں پر مشتمل ہے پہلا شعر ہے۔ پوری غزل تقریباً غیر نعتیہ ہے۔

یہ پوری غزل محمد بشیر الحق صاحب دسنوی نے اپنے مراسلے میں جو ہماری زبان کی ۸ مئی ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے، ان کے ایک مجموعۂ کلام سے جس کا نام انھوں نے "عین المعارف" لکھا ہے اور جو ۱۹۱۰ء میں پہلی بار چھپا ہے نقل کر دی ہے، لیکن اس میں اور ہمارے پیش نظر مجموعۂ کلام میں الفاظ تو الفاظ، اشعار تک میں فرق ہے۔

اس مذکورۂ بالا شعر کے متعلق ہماری زبان کی یکم جون کی اشاعت میں الیاس احمد صاحب گلہائے پریشاں کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے، جس میں انھوں نے اس شعر کے نقل کرنے کے بعد ایک لطیفہ لکھا ہے جو لطف سے خالی نہیں، وہ یہ ہے کہ حضرت آسی کے ایک مرید مولوی شعیب صاحب مرحوم نے ایک مرتبہ یہ شعر اپنے شیخ کو سنایا، تو شیخ نے پوچھا یہ کس کا شعر ہے، عرض کیا حضرت ہی کا ہے، فرمایا تو بھی اس کو یوں پڑھو:-

وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے ساتھ

الیاس صاحب نے لکھا ہے کہ ذرا سی ترمیم سے شعر بہت بلند ہو گیا، لیکن ہمارے نزدیک دونوں شعروں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، بعد بھی صحیح ہے اور ساتھ بھی، اور دونوں یکساں بلیغ اور واقعہ کے عین مطابق ہیں، سلام کے بعد ہی پیام کہا یا پہنچایا جاتا ہے۔ اور خدا کے نام کے بعد ہی رسول کا نام لیا اور اس کا ورد کیا جاتا ہے، سلام پیام سے مقدم ضرور ہوتا ہے، چاہے اس کے لئے کتنا ہی اقل ترین زمانہ ہو لیکن وظیفہ اور ورد ساتھ ساتھ بھی ہوتا ہے، اور الگ الگ بھی، اس لحاظ سے دونوں صحیح ہیں، یعنی "خدا کے نام کے ساتھ" بھی پڑھ سکتے ہیں، اور "خدا کے نام کے بعد" بھی۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

یہ شعر عام طور سے زبانوں پر اس طرح بھی چڑھا ہوا ہے:-

صبا تو جا کے یہ کہیو مرے سلام کے بعد
تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

ناظرین کی ضیافت طبع کیلئے ایمان سخن سے ہم ذیل میں پوری غزل نقل کرتے ہیں، اس میں دسنوی صاحب کے مجموعۂ کلام سے ایک شعر زائد ہے۔ ہاں تو اب پوری غزل سنیئے، اور اس کی داد دیجئے:-

وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد
تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد
شب وصال، بیان غم فراق عبث
فضول ہے گلۂ زخم التیام کے بعد
وہاں بھی وعدۂ دیدار اس طرح ٹالا
کہ خاص لوگ طلب ہوں گے بار عام کے بعد
گنہگار کی سن لو تو صاف یہ ہے
کہ لطف رحم و کرم کیا پھر انتقام کے بعد
طلب تمام ہو مطلوب کی اگر حد ہو
لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد
وہ خط، وہ چہرہ، وہ زلف سیاہ دیکھو تو
کہ شام صبح کے بعد آئی صبح شام کے بعد
تجھے کہے کوئی کیونکر نہ غیرت عیسیٰ
رہا نہ ہوش کسی کو ترے کلام کے بعد
پیام بر کو روانہ کیا تو رشک آیا
نہ ہم کلام ہو اس سے مرے کلام کے بعد
تمام ہوں ابھی جھگڑے یہ لن ترانی کے
دکھا دو جلوہ خدا را اگر کلام کے بعد
ابھی تو دیکھتے ہیں ظرف بادہ خواروں کا
سبو و خم کی بھی ٹھہرے گی دور جام کے بعد
الٰہی آسی بے تاب کس سے چھوٹا ہے
کہ خواہیں روز قیامت لکھا ہے نام کے بعد

ہم نے اس طرح کی غزلوں کے نعت کے تمام متفرق اشعار اکٹھا کر لئے ہیں اور اس مجموعہ میں شامل کر دئے ہیں، ان میں سے گو بعض کے ڈانڈے رسالت سے گذر کر الوہیت سے کیوں نہ مل جاتے ہوں، لیکن ان کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اردو کے نعت گویوں میں حضرت آسی کا مرتبہ ماشاء اللہ بہت اونچا ہے، اور ان کی اس حیثیت پر جہاں تک ہم کو معلوم ہے سب کا اتفاق ہے، اگر اس مجموعہ میں ان کا نعتیہ کلام نہ آتا تو بڑی کمی رہ جاتی، اس دیوان میں نعت کا حصہ بہت کم ہے، لیکن جس قدر ہے بہت بلند اور پرسوز و گداز ہے اور اس پر بے اختیار جان چھڑکنے کو جی چاہتا ہے، خصوصاً یہ شعر:-

وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد
تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

اداریہ

پیرِ مغاں کی یادیں

۲ راکتوبر کو سارے ملک میں گاندھی جینتی منائی جارہی ہے۔ اس دن تمام دفاتر اور ادارے بند ہوں گے۔ ہندوستان کے اس سرے سے اُس سرے تک جلسے ہوں گے جن میں مقرّر گاندھی جی کی تعلیم، اُن کی سیرت اور اُن کے کارناموں پر روشنی ڈالیں گے۔ ریڈیو پر گاندھی جی کے محبوب گانے سنائے جائیں گے اُن کی وہ نحیف مگر صاف آواز جس میں سچائی اور عدم تشدد پر بھرپور اعتماد تھا، ہوا میں گونجے گی۔ کچھ بوڑھے یہ یاد کر کے بڑے ہونے کی کوشش کریں گے کہ انھوں نے اس اولیا صفت انسان کے سائے میں کچھ دن گزارے تھے۔ دنیا کو پیام دیا جائے گا کہ اس کی مشکلات کا حل گاندھی جی کے نقشِ قدم پر چلنے میں ہے۔ اور اس تھوڑی سی مصروفیت اور سستے سے خراج کے بعد سب اپنے روزمرّہ کے دھندوں میں لگ جائیں گے وہی فرقہ پرستی کا کھیل، وہی ذات پات کا لحاظ، وہی زبان کے جھگڑے، وہی علاقوں کی جھپکلیں، وہی عہدوں، منصبوں کے لئے چھین جھپٹ، وہی چناؤ کے نقشے، وہی ٹکٹ کے لئے داؤ پیچ، وہی روپیہ بٹورنا، وہی بے حسی، وہی کچلے ہوئے اور ستائے ہوئے انسانوں کے جسموں پر سے گزر کر اپنی منزل تک پہنچنا۔

لیکن اس وقت جبکہ دہلی میں قومی وحدت کے مسئلے پر ملک کے سیاست داں، ماہرین تعلیم، فنکار، ادیب، سائنس داں اور دوسرے قومی کارکن، سر جوڑ کر گفتگو کر رہے ہیں، کیا اُنھیں سامنے کی بات نظر آئے گی یا نہیں۔ ہم نے گاندھی جی کا برابر نام لیا ہے، مگر اُن کی تعلیم کو برابر نظر انداز کر دیا ہے۔ ہم نے اُنھیں دیوتا صفت کہا ہے، مگر اُن کی انسانیت کو بھول گئے ہیں۔ ہمیں یہ اب کچھ یونہی سا یاد ہے کہ وہ کس مقصد کے لئے زندہ رہے اور کیوں انھوں نے جان دی۔ کیوں جب ملک آزاد ہوا تو وہ دہلی کے ہجوم میں خوشی کے گیت گانے کے بجائے اور عوام سے خراجِ عقیدت وصول کرنے کے بدلے بنگال کے دیہات میں مارے مارے پھرتے رہے۔ گاندھی جی کی سچی یادگار بڑے شہروں کی وہ جگمگاتی شاہراہیں نہیں ہیں جو اُن کے نام سے موسوم کی گئی ہیں، نہ راج گھاٹ کی وہ زیارت گاہ ہے جہاں ہر سرکاری مہمان آکر پھول چڑھاتا ہے، اُن کی یادگار اُن کی زندگی، اُن کا عمل اور ان کا خلوص ہے۔ اس کو ہم نے کتنا یاد رکھا ہے۔ ہم بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ بیرونی ملکوں میں گاندھی جی کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے۔ ہم نے گاندھی جی کے گھر میں اُن کی واقعی عزت کتنی کی ہے۔ کیا سچائی اتنی خطرناک ہے کہ نہ صرف اُس کے پیرو شہادت پاتے ہیں، بلکہ اُن کی تعلیم محض احترام کی نذر ہو جاتی ہے وہ زندگی کے لئے نمونہ اور مثال نہیں بن پاتی۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے قومی رہنما لمبی چوڑی اسکیمیں بنائیں گے، خوبصورت اور شاندار الفاظ میں قومی وحدت کا ذکر کریں گے اور اس کثرت کی طرف بھی اشارہ کریں گے جو اس وحدت کی شان اور آبرو ہے۔ وہ سیاسی پارٹیوں سے اپیل کریں گے کہ چناؤ کے موقع پر ذات پات کی، لسانی جھگڑوں کی، فرقہ پرستی کی، علاقائی جانبداری کی آگ کو ہوا نہ دیں۔ وہ تعلیمی اداروں سے کہیں گے کہ اپنے نصاب کی اصلاح کریں۔ وہ حکومت اور عوام کو اور بھی بہت سی اچھی اچھی نصیحتیں کریں گے، مگر کاش وہ یہ سب کرنے کے بجائے گاندھی جی کی تعلیم پر واقعی عمل کرتے، کاش وہ قومیت کے جذبے سے خود سرشار ہوتے، کاش فرقہ پرستی خواہ اکثریت کی ہو یا اقلیت کی، یکساں مذموم قرار پاتی۔ کاش فساد برپا کرنے والوں کو واقعی محسوس ہوتا کہ وہ کتنا خطرہ مول لے رہے ہیں، کاش بڑے عہدوں والے بھی اپنی برادری، اپنی ذات، اپنے علاقے کے لوگوں کو اُنکے حق سے زیادہ دینے کے لئے آمادہ نہ ہوتے، کاش ایک زبان کے نام پر دوسری کی پامالی نہ ہوتی، کاش جمہوریت کے یہ معنی نہ لئے جاتے کہ جمہوری عناصر کو ختم کرنے والے اپنے ناپاک منصوبوں میں مصروف رہیں اور کوئی اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ کاش افسر ایک دوسرے کو بچانے اور برادری کی ناک سلامت رکھنے کے اتنے قائل نہ ہوتے۔ کاش سیدھے سادے عوام کو یہ باور نہ کرایا جاتا کہ بات تو قومی وحدت کی کرتے رہو مگر مسلمین، برہمن، کائستھ، ٹھاکر، شیعہ، سنّی، سکھ، پارسی پر نظر رکھو۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن نے ٹھیک کہا ہے کہ کچھ لوگ جو نام قومی وحدت کا لیتے ہیں، دراصل اس وحدت کو مجروح کرتے ہیں۔ وہ ہندی کے نادان دوست جو ہندی کے علاقوں میں مصنوعی اور مشکل ہندی رائج کر رہے ہیں اور دوسرے علاقوں میں اپنی چودھراہٹ علاقائی زبانوں کے اوپر قائم رکھنا چاہتے ہیں، وہ اُردو والے جو اُردو کے ساتھ بے انصافی کا اس طرح تذکرہ کرتے ہیں گویا اکثریت نے اُردو کو ختم کرنے کے لئے ایک خطرناک پلاٹ بنایا ہے اور وہ اُردو کو ختم کر کے ہی دم لے گی، وہ پنجابی والے جنھیں صرف پنجابی صوبے سے غرض ہے، خواہ اس کے نتیجے میں، ملک کا کتنا ہی نقصان ہو، وہ آسام والے جو بنگالی سے اس لئے نفرت کرتے ہیں کہ ایک زمانے میں بنگالی بولنے والے اُن کے یہاں چھائے ہوئے تھے۔ یا در کھئے پانی کہاں کہاں مرتا ہے۔

ہمارے وطن میں جتنی قومیں ہیں سب کی ترقی کی گنجائش ہے۔ ان کی ترقی سے ملک کا فائدہ ہوگا۔ آزاد ہندوستان حال کے حقائق کو تسلیم کرکے اور مستقبل میں سب کے امکانات محفوظ کرکے ہی ترقی کرسکتا ہے۔ اس کے لئے گاندھی جی کا سا ذہن بنانا پڑے گا۔ ہر شخص کو اپنے طور پر گاندھی بننا پڑے گا اور قومیت کے فروغ کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کے لئے تیار رہنا پڑیگا۔ گاندھی جینتی کا حقیقی پیغام یہی ہے۔

اِدھر اُدھر سے

امیر خسرو کی نظم روس میں شائع ہوئی

امیر خسرو دہلوی کی نظم شیریں خسرو کا ایک مستند ایڈیشن سوویت یونین میں شائع ہوا ہے۔ یہ فارسی کی نظم ایران اور ہندوستان میں بہت مقبول ہے۔ یہ ایڈیشن ۱۳۰۵ء کے ایک قدیم نسخے پر مبنی ہے جو تاشقند میں محفوظ ہے۔ خیال ہے کہ اصل نسخے کی جو کہ نایاب ہے یہ سب سے قدیم نقل ہے۔ اس لحاظ سے اس نسخے کی بڑی اہمیت ہے۔ دوسرے نسخے ۱۶ ویں اور ۱۷ ویں صدی سے زیادہ پرانے ہیں۔ دوسرے نسخوں سے موازنہ کرنے سے پتہ چلا ہے کہ تاشقند کا نسخہ سب سے زیادہ جامع ہے۔ اور قیاس ہے کہ اصل سے سب سے زیادہ قریب یہی نسخہ ہے۔

شاعر نذر الاسلام کے متعلق فلم

بنگال کے انقلابی شاعر نذر الاسلام کی زندگی کے متعلق پاکستان میں اب ایک فلم تیار کی جارہی ہے یہ فلم ایک فلمساز ادارے "دلبستان" کی جانب سے بنائی جارہی ہے۔ فلم اُردو اور بنگالی دونوں زبانوں میں فلمائی جائے گی اور اس کا نام "انقلابی شاعر" رکھا گیا ہے۔

ہندوستان کے میلوں اور تہواروں پر کتاب

سرکاری طور پر ہندوستان کے ہر حصّہ میں ہونے والے میلوں اور منائی جانے والی تقریبات کے بارے میں جانچ پڑتال ہورہی ہے جس کی اساس اور بنیاد پر ایک مفصل کتاب چھاپی جائے گی۔ اس کتاب میں تصاویر بھی شامل ہوں گی۔ اس سروے میں میلوں اور تہواروں کا تاریخی پس منظر معلوم کیا جائے گا اور معلوم کیا جائیگا کہ کس قسم کے لوگ ان میں شامل ہوتے ہیں، اور ان میں کس کس چیز کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ ان میلوں میں شامل ہونے والے لوگ کس قسم کی سواریوں کو استعمال کرتے ہیں اور مذاہب کی طرف سے کس قسم کی قربانیاں دی جاتی ہیں ان سب کا تفصیلی تذکرہ اس کتاب میں ہوگا۔

افغان تاریخ کا ایک نادر مسودہ

ازبک اکیڈیمی نے افغانستان کی تاریخ سے متعلق ایک نادر مسودے کی اشاعت کا ذمہ لیا ہے جو روسی زبان میں شائع ہوگا۔ اس مسودے "زیب تاریخ" میں درانی سلطنت کے عروج اور زوال کے دور (۱۸۰۳ - ۱۷۴۷) کی تاریخ درج ہے۔

ماہرین کا خیال ہے کہ تاشقند کے شعبۂ مشرقیات کا یہ مسودہ ایک نادر مسودہ ہے۔

اس کتاب میں افغان قبیلوں کے بارے میں افغان ریاست کے بانی، احمد شاہ درانی کے دور حکومت کے بارے میں اور ان کے بیٹے تیمور شاہ اور پوتے حسن شاہ کے دور کے بارے میں بہت قیمتی معلومات درج ہیں۔

لسانی اخوت

اُردو	ملایائی
بیٹی	بے ٹی
روٹی	روٹی
نام	ناما
دنیا	دنیا
میز	مے جا
بیج	بی جی
اناس	ناناس
اچار	اچار
چندہ	چنڈو
جال	جالا
باپ	باپا
نگری	نگری
گرجا	گرے جا
قلی	کلی
سلامت	سلامت
مسکین	مسکین
نصیب	نصیب
سکہ	شکا

(اقبال کرشن)

سہ ماہی "صبح" کا اجراء

انجمن ترقی اُردو (ہند) شاخ دہلی سے عنقریب ایک سہ ماہی رسالہ "صبح" کا اجراء ہونے والا ہے جس کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ اور ایک شمارہ کی قیمت ایک روپیہ ۲۵ نئے پیسے ہوگی۔

ملنے کا پتہ

دفتر انجمن ترقی اُردو (شاخ دلی) علی منزل کوچہ پنڈت دہلی ۶

منظر ایوبی

غزل

وہ مستی میں فکرِ جان و تن سے کچھ نہیں ہوگا
مجھے ڈر ہے کہ اب اہلِ چمن سے کچھ نہیں ہوگا
شکستِ بابِ زنداں کے لئے جرأت بھی لازم ہے
فقط اندیشۂ دار و رسن سے کچھ نہیں ہوگا
اگر ہم کو مزاجِ گردشِ دوراں بدلنا ہے
تو اس پابندیِ رسمِ کہن سے کچھ نہیں ہوگا
ہزاروں زخم باقی ہیں ابھی پھولوں کے سینے میں
فقط آرائشِ صحنِ چمن سے کچھ نہیں ہوگا
غمِ دوراں سے دیوانوں کو فرصت ہی نہیں ساقی
تری زلفِ شکن اندر شکن سے کچھ نہیں ہوگا
بنامِ عظمتِ انساں ہم اک جنت بنائیں گے
کہ اب تفریقِ شیخ و برہمن سے کچھ نہیں ہوگا
تری بیگانگی سے ذہن پر وہ دن ابھر آئے
کلی کا جب تعلق ہی چمن سے کچھ نہیں ہوگا
ہم اپنی خانہ ویرانی پہ منظر خود ہی رو لیں گے
کہ اس سے بڑھ کے اور یادِ وطن سے کچھ نہیں ہوگا

ماہر انصاری

غزل

جمالِ غم سے منور شبِ حیات ملی
جو صبح سے بھی حسیں ہے مجھے وہ رات ملی
یہ حسن و عشق کا ربطِ حسیں خدا رکھے
تری نظر سے مرے دل کی بات بات ملی
ترا یہ غم بھی بڑا دلگداز ہے لیکن
ہجومِ فکرِ جہاں سے تو کچھ نجات ملی
ہم اس مقام سے بھی مسکرا کے گذرے ہیں
کہ آرزو تھی جہاں صبح کی تو رات ملی
نہ پوچھ کتنی جفا کیش و جانستاں نکلی
وہ اک نظر کہ بہ اندازِ التفات ملی
رہِ طلب میں یہ کس موڑ پہ ہم آ پہنچے
قدم بڑھے تو ستاروں کی کائنات ملی

فضا کوثری

غزل

نہ منھ پہ دھول نہ کانٹے ہی پیرہن میں رہے
تو کیا ثبوت ہے اس کا کہ آپ بن میں رہے
ہم اس قماش سے اس وضع سے وطن میں رہے
کوئی اسیرِ قفس جس طرح چمن میں رہے
جنھیں شعورِ جنوں تھا ہوئے وہ دامن چاک
جو ناشناسِ جنوں تھے، وہ پیرہن میں رہے
ادب کی راہ میں کانٹے بکھیرنے والے
سمجھ رہے ہیں کہ پھولوں کی انجمن میں رہے
اگر یہ جوششِ جنوں ہے اگر یہ شوقِ فزوں
نہیں امید کوئی تار پیرہن میں رہے

ناصر شہزاد

غزل

گذری تھی تیرے باغ سے اک شب کبھی ہوا
تا عمر لڑکھڑاتی پھری، سر پھری ہوا
اک تم نہ تھے، وگرنہ ہر اک اہتمام تھا
نغمے، شراب، پھول، گھٹائیں، ندی، ہوا
ہم تیری چاہتوں کے سہارے گزر گئے
ورنہ دو جہاں میں بڑی تیز تھی ہوا
اس ساعتِ جمیل پہ سو ساعتیں نثار
میں، تیری یاد، موسمِ مے، چاندنی ہوا
کل رات میرے در پہ جو دستک ذرا رُکی
کھلتے ہوئے کواڑ سے ٹکرا گئی ہوا
تیرا خیال — بھیگتے لمحے — سکوتِ شب
لہرا رہی ہے روح میں خوشبو بھری ہوا
ناصر میں دشتِ شوق میں تنہا رواں نہیں
ہے میرے ساتھ گرد اُڑاتی ہوئی ہوا

ندرت کانپوری

غزل

کیفِ غم بھی کیا، بہ فیضِ یک نظر ممکن نہیں
زندگی کس کام کی یہ بھی اگر ممکن نہیں
مرحلہ ہے عشق کا آساں مگر ہمت شکن
راستہ ہموار ہے لیکن سفر ممکن نہیں
آہ برلب، مبتلائے رنجِ مجبوری ہیں کیوں
کیا نہیں شکوہ، بہ اندازِ دگر ممکن نہیں
میری قسمت میں نہیں شاید سکونِ زندگی
اک نگاہِ لطف ممکن ہے، مگر ممکن نہیں
بعد کتنا ہی سہی اک ربطِ پنہاں پھر بھی ہے
تو مرے حالات سے ہو بے خبر ممکن نہیں
ہر صدائے آمد و رفتِ نفس ہے دل خراش
اب یہ نغمہ زندگی کے ساز پہ ممکن نہیں
دل شکن بھی جو نہ ہو، امید افزا بھی نہ ہو
کیا مرے حق میں کوئی ایسی نظر ممکن نہیں
انتظارِ دوست پہ ہے انحصارِ زندگی
شب تو ممکن ہے گذر جائے سحر ممکن نہیں
بوالہوس اس راز سے شاید نہیں ہو آشنا
کامیابِ شوق ہونا عمر بھر ممکن نہیں
اک ذرا دل کی طرف ندرت نگاہِ احتیاط
آئینہ ٹوٹا تو پھر آئینہ گر ممکن نہیں

راشدہ قریشی

قطعہ

رات ہے کوئی ہماری نہ سویرا ساقی
جام کیا، میکدہ میرا ہے نہ تیرا ساقی
جب سے آیا ہے نگاہوں میں ہر اک شے کا مآل
چھا گیا ہے مری آنکھوں میں اندھیرا ساقی

مراسلات

لفظ خاتم کے متعلق کچھ

اخبار "ہماری زبان" مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۶۱ء کے مراسلات میں محترمہ جہاں بانو نقوی کا مراسلہ پڑھا۔ محترمہ نے لفظ "خاتَم" کے زیر و زبر کے استعمال میں کچھ وضاحت کی ہے۔ گو خاکسار نے مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۶۱ء کے مراسلات میں "خاتَم کے معنی" کی صراحت کی تھی۔ لیکن موصوفہ خاتِم بالکسر کے متعلق بھی کچھ جاننا چاہتی ہیں تو اس کے متعلق ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ خاتَم اور خاتِم دونوں کے معنی مُہر۔ مُہر لگانے والا، اور انگوٹھی کے ہیں۔

محترمہ نے میرے جملہ "غالب اور ذوق جو خاتَم الشعراء ہیں .... ہُو" کے خاتَم میں زیر اپنی طرف سے زائد کیا ہے۔ اسی طرح خاتَم المرسلین، خاتَم النبیین میں بھی زیر اپنی طرف سے ہی لگائے ہیں۔ جو اپنے مقام پر زبر کے ساتھ مستعمل ہیں۔

قرآن مجید کی مشہور قرأت میں خاتَم تا کی زبر سے آیا ہے۔ جس کے معنی مفرد ہونے کی صورت میں بہرحال مُہر کے ہیں۔ خاتِم کی قرأت کی رو سے بھی اس کے معنی مُہر کے ثابت ہیں اس لئے لفظ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ میں خاتَم کے معنی مُہر کے ہی ہونے چاہئیں۔ اسی لئے مترجم قرآن مجید میں بالعموم "نبیوں کی مُہر" ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

محترمہ کو مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۶۱ء کے اخبار "ہماری زبان" میں جناب ضیاء احمد بدایونی کا مراسلہ "کچھ لفظ خاتَم کے متعلق" اور اس کی وضاحت میں خاکسار کا دوسرا مراسلہ "لفظ خاتَم کے معنی کی تشریح" اخبار ہماری زبان مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۶۱ء میں دیکھ لینا چاہیے۔

(مسعود احمد انیس، شاہجہانپوری)

تبصرہ

ن ۔ ا ۔ ع

مستحصلات الجفر: ۔ از سید سرفراز علی صاحب رضوی، محلہ رسول آباد نقیر محمد درا خاں روڈ، کراچی ۵۔ تعداد صفحات ۱۴۰۔ قیمت تین روپے۔ مصنف کے پتے سے ملے گی۔

یکتابی تقطیع کی ایک کتاب ہے جس کی ظاہری زیب و زینت پسندیدہ ہے۔

علم جفر ایک قیمتی علم ہے جو اب مسلمانوں سے مخصوص ہے اس میں حروف سے کام لے کر چند ایسے نتائج اخذ کئے جاتے ہیں جو حالات میں تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں یا پھر واقعات گزشتہ و آئندہ کی خبر دے سکتے ہیں۔ جزء اول کو علم آثار کہا جاتا ہے اور جزء دوم کو علم اخبار۔ کتاب زیر نظر میں علم اخبار سے ہی بحث کی گئی ہے۔

جفر کو ریاضی کی ایک شاخ گردانا جاتا تھا۔ سابق میں ریاضی کی دو شاخیں سمجھی جاتی تھیں۔ ایک تو وہ جس میں حروف و اعداد کے ظاہری پہلو کو لیا جاتا ہے۔ اس میں فی زمانہ مغرب نے اتنی ترقی کی ہے کہ اسکو آسمان تک پہنچا دیا۔ دوسری شاخ وہ ہے جس میں اعداد کے باطنی پہلو سے بحث کی جاتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ یونانیوں میں بھی اس باطنی پہلو کو حکمت کی ایک شاخ سمجھا جاتا تھا چنانچہ اس علم کو وہ "ارثما طیقی" کہتے تھے۔ لطف یہ ہے کہ انگریزی میں یہ لفظ "ارتھمیٹک" کی شکل میں نمودار ہوا اور باطنی پہلو چھوڑ کر صرف ظاہری پہلو کے لئے مخصوص ہو گیا اگرچہ یہ ظاہری پہلو بھی بہت وسیع اور دلچسپ ہے۔

سابق میں جو لوگ حکیم کہلاتے تھے وہ اپنے زمانہ کے تمام علوم سے واقف رہتے تھے۔ اس لئے وہ علم ریاضی میں بھی کافی دخل رکھتے تھے لیکن بعد کے لوگوں میں علم ریاضی بہت کم ہو گیا اس لئے اس علم پر جو کتابیں لکھی گئیں بالخصوص اُردو میں ان میں یہ کمی نمایاں نظر آتی ہے۔ اس وجہ سے اعداد وغیرہ کی اکثر غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ پھر انھوں نے جو زبان اختیار کی اس میں وضاحت کا پہلو کمزور رہا۔

زیر نظر کتاب میں مصنف نے ان دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھا ہے اس لئے پیرایہ بیان واضح اور دل نشین ہے حسابی غلطیاں بھی نہیں ہیں۔ مبادیات کا بیان بھی واضح ہے۔ گو بجائے جدول کے عبارت میں ہوتا تو بہتر تھا۔

جفر میں مستحصلہ ایسی ہی چیز ہے جیسے کیمیا میں اکسیر۔ اس کے بیان کرنے میں لوگوں نے عجیب غریب پیرایہ بیان اختیار کئے ہیں جن سے مطلب حاصل نہیں ہوتا اس کتاب میں یہی خوبی ہے کہ ہر قدم واضح ہے۔

یوں تو مستحصلہ کے بہت سے قاعدے ہیں لیکن اس کتاب میں صرف ۹ قاعدے بیان کئے گئے ہیں جن میں سے مستحصلہ بدوح میں بہت شہرت رکھتا ہے مگر اس کو بیان کرنے میں لوگوں نے بڑا بخل کیا ہے اور سب کچھ لکھ جانے کے بعد بھی طریقہ واضح نہیں ہوتا۔ رضوی صاحب نے اس کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے البتہ مثالوں کے لئے قدیم سوالات کی بجائے جدید سوالات قائم کئے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

حروف سے اعداد بنانے میں ہمزہ کو بھی شمار کیا گیا ہے حالانکہ اس کا عدد عام طور پر نہیں لیا جاتا۔ اسی طرح مراتب میں سے اگر صفر گرا دئے جائیں تو پھر حروف کے اعداد وہ کم ہی حاصل ہوتے ہیں اس لئے ی، ق، غ کے لئے ایک کا عدد لیا جاتا ہے کتاب میں ان حروف کے اعداد ۱۰ لئے گئے ہیں۔

بہرحال ان جیسے چند اختلافات کو چھوڑ کر کتاب کا مطالعہ جفر سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے مفید ہی ہوگا۔

معاصرین

پنجاب میں اُردو کی حالت

میں اس وقت پنجاب میں اُردو کی پوزیشن کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ پنجاب کے وہ لوگ جن کی عمریں ۲۵ سال سے زیادہ ہیں اُردو جانتے ہیں جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ پنجاب میں اُردو کو ایک عظیم پوزیشن حاصل رہی ہے۔ اور یہاں کے کاروباری سیاسی اور ادبی حلقوں میں اُردو کو اولین مقام حاصل رہا ہے۔ آج بھی جس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں مثلاً سیاسی پروپیگنڈہ اخبار کی اشاعت، جلسے جلوس پنجابی زبان میں اردو الفاظ کی کثرت وغیرہ یہ سب اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ اُردو کو پنجاب کی زندگی میں دوسری زبانوں کی نسبت سب سے زیادہ دخل رہا ہے۔ ایسی حالت میں بھی پنجاب میں اگر اردو کو کوئی خاص مقام حاصل نہیں ہو سکا۔ اور اس وقت اردو ایک بیکس، مظلوم بیوہ کی طرح رہ گئی ہے تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ پنجاب میں اُردو کے خیرخواہوں نے اُردو کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ انجمن ترقی اُردو ہند جسے اُردو کے سلسلے میں ہندستانی گیر حیثیت رکھنے والی واحد جماعت کہا جاتا ہے۔ اس کی پنجاب شاخ نے کوئی ایسا کار نمایاں نہیں کیا جس سے اُردو کو پنجاب میں کوئی پوزیشن حاصل ہوتی۔ سال میں ایک پروگرام کے علاوہ اس کی پنجاب شاخ کے سکریٹری نے کبھی یہ تکلیف نہیں کی کہ رائے عامہ کو اُردو کے حق میں بیدار کرنے کے لئے کوئی معقول اور منظم تحریک چلائی جائے مجھے یہ لکھتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ مرکز نے بھی آج تک اس طرف توجہ نہیں دی اور کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ پنجاب میں انجمن ترقی اردو کی تنظیم کو مضبوط کیا جائے اور اسے غلط ہاتھوں سے نکال کر صحیح ہاتھوں میں سونپا جائے۔ آج بھی پنجاب میں اُردو کے چاہنے والوں کی کمی نہیں۔ لیکن ضرورت صرف تنظیم کی ہے۔ کوئی شخص صدق دلی سے اگر آگے بڑھ کر یہ کام کرے تو وہ پنجاب میں اب بھی اُردو کو ایک خاص مقام دلوا سکتا ہے۔ ضرورت ہے رائے عامہ کو بیدار کرنے کی اور اس کے لئے ایک منظم تحریک چلائی جانی چاہئے۔ اس سلسلے میں دیر کرنا اُردو کے لئے بہت نقصان دہ ہوگا اور اس سے جو نتائج پیدا ہوں گے انھیں آئندہ کبھی درست کرنا بھی ناممکن ہو جائے گا۔ پھر پچھتانے کے سوا کچھ نہ رہے گا۔　　　(ہفتہ وار پیغام مہر دہلی)

وضاحت

۲۲ اگست ۱۹۶۱ء کے "ہماری زبان" میں ضیا احمد صاحب بدایونی کا جو مراسلہ بعنوان "دعا کے معنی" شائع ہوا ہے اس کے محرک سید غوث محی الدین ہیں۔　　　ادارہ

طلبہ ہندی کے ساتھ اُردو بھی سیکھیں

بھوپال ۱۰ ستمبر۔ مرکزی وزیر مسٹر گوپال ریڈی نے گورنمنٹ حمیدیہ کالج میں تقریر کرتے ہوئے طلبہ کو مشورہ دیا کہ "ہندی کے ساتھ اُردو بھی سیکھو"۔ انھوں نے اپنی طویل تقریر میں اس کی پُرزور تردید کی کہ اُردو غیر ملکی زبان ہے۔ انھوں نے کہا "اُردو ہندوستان کی بڑی پیاری زبان ہے اور انھیں بہت عزیز ہے۔ حیدرآباد میں انھوں نے اس کے لئے کام کیا ہے اور جہاں بھی موقع ملتا ہے اُردو کے لئے کام کرکے انھیں مسرت ہوتی ہے"۔ مسٹر ریڈی نے نعرہ ہائے تحسین کے درمیان کہا کہ طلبہ لسانی جھگڑوں سے اپنا دامن بچائیں اور جذبۂ باہم آہنگی کے لئے اس فضا کو برقرار رکھیں جو یہاں دکھائی دیتی ہے۔　　　(قومی آواز لکھنؤ)

ہندی کی ادبی تاریخ میں اُردو شعرا کا تذکرہ کیا جائے

بھوپال ۱۷ ستمبر۔ مشہور ہندی ماہرِ تعلیم ڈاکٹر بھگوت سرن اپادھیائے مقامی سیفیہ ڈگری کالج میں تقریر کرتے ہوئے ہندی کی دوسری زبانوں سے الگ تھلگ رہنے کی پالیسی کی مخالفت کی۔ انھوں نے کہا کہ اس کا مطلب اپنے ادبی ورثہ کو نظر انداز کرنا ہے۔ انھوں نے تالیوں کی گونج میں کہا کہ ہندی کی ادبی تاریخ اُردو شاعروں کے تذکرے کے بغیر نامکمل ہے۔ میر تقی میر، سودا، ذوق وغیرہ کو ہماری تاریخ میں ضرور جگہ ملنا چاہئے۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر تعلیم ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے ہندی پریمیوں کو مشورہ دیا کہ وہ قومی زبان کو قومی اتحاد کو تقویت دینے والا بنائیں۔ اگر علیحدگی پسندی جاری رہی تو سنسکرت کی طرح اس کا رشتہ بھی عوام سے کٹ جائے گا۔　　　(قومی آواز لکھنؤ)

انجمن کا خبر نامہ

شامِ جگر ڈاکٹر بی گوپالا ریڈی مرکزی وزیر ہاؤسنگ و سپلائی کی صدارت میں انجمن ترقی اُردو شاخ دلّی کا جلسہ حضرت جگرؔ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ۱۰ ستمبر کی شام کو دہلی پبلک لائبریری میں ہوا۔ جن شعراء نے رئیس المتغزلین کو خراج عقیدت پیش کیا اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ہیرالال فلک، کالی چرن اثر، ڈاکٹر تاج الدین، بہار برنی، اشیر جھنجھانوی، روشن بنارسی، رفعت سروش، طالب دہلوی اور نریش کمار شاد۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ حضرت جگر مرادآبادی کا کلام ہمہ گیر حیثیت رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر شخص خواہ وہ کسی مکتب خیال سے تعلق رکھتا ہو جگر کی عظمت کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ اچھے شاعر ہی نہ تھے، ایک صحیح انسان بھی تھے۔ آج جگر کو دنیا سے مُنھ موڑے ہوئے ایک سال ہو گیا ہے۔ یوں ہی سالہا سال گذرتے جائیں گے، لیکن اُردو زبان کو جو کچھ وہ دے گئے ہیں وہ اس وقت تک ان کو زندہ و پائندہ رکھے گا جب تک کہ زبان رہے گی۔

علمی اور ادبی کمال تو ہر کوئی حاصل کر سکتا ہے لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو حقیقی وجدان رکھتے ہوں، جگر صاحب سرتاپا شعریت کا مجسمہ تھے اور اپنی شاعری میں اخلاق و کردار اور انسانی زندگی کا ایسا حسین انداز پیش کرتے تھے جس طرح ایک موسیقار ساز کے تاروں کو چھیڑ کر جذبات و احساسات کا ایک دریا بہا دے۔

انھوں نے غزل جیسی نازک صنف سخن میں کائنات کے حسن و خوبی کو اجاگر کرنے کا کام لیا۔ یہ رند پاک نفس اپنی شاعری میں ہمیشہ انسانیت کا سبق دیتا رہا۔

حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کے بعد جناب قمر فرستوری نے اپنا مقالہ پڑھا اور صدر جلسہ ڈاکٹر گوپالا ریڈی صاحب نے انگریزی میں تقریر فرمائی جس کا ترجمہ ساتھ ہی ساتھ پنڈت سندر لال صاحب نے کیا۔ ریڈی صاحب نے فرمایا چار سال ہوئے جب میں حیدرآباد سے آیا وہاں بھی میں اردو سیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور دلی آنے کے بعد میں اس ہر دلعزیز زبان کو سیکھنے کی برابر کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن میں جنوبی ہند کا رہنے والا ہوں اس لئے ایسی اُردو ابھی نہیں بول سکتا کہ انجمن ترقی اُردو کے جلسے میں جہاں شاعر، ادیب موجود ہیں، روانی سے تقریر کر سکوں اس لئے میں معذرت خواہ ہوں کہ انگریزی میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں۔

یہ میرے لئے بڑی مسرت کی بات ہے کہ کارکنان انجمن نے حضرت جگر مرادآبادی کو خراج عقیدت پیش کرنے کا موقع فراہم کیا اور مجھے اس جلسے کی صدارت کا فخر بخشا۔ آج بڑی تعداد میں ہم لوگ اُردو کے ایک لافانی شاعر کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ صدر محترم نے فرمایا کہ پچھلے دنوں ہم سے اُردو زبان کے دو بڑے محسن جدا ہو گئے، ایک حضرت جگر اور دوسرے ڈاکٹر مولوی عبدالحق بابائے اُردو۔

تقریر کے آخر میں انھوں نے فرمایا کہ ایک شاعر کو یاد کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اس کے کلام کو پڑھا جائے اور اس سے جذبہ حاصل کیا جائے اور یہ یاد رکھا جائے کہ جس کی یاد منائی جا رہی ہے وہ شعر و ادب کی تعمیر کرنے والوں میں سے ایک ہے۔ میں ساہتیہ اکیڈیمی سے جب حضرت جگر کو فروری ۱۹۵۹ء میں انعام ملا تو اپنی اور تمام مصروفیات کو چھوڑ کر اس جلسہ میں حضرت جگر کو دیکھنے اور ان سے ملنے کے لئے گیا۔ میں اُردو اور جگر کا شیدا ہوں میری اس کمزوری سے سبھی لوگ واقف ہیں اس لئے جنوبی ہند کے لوگ بھی جب کبھی میں وہاں جاتا ہوں مشاعرے منعقد کرتے ہیں اور مجھے ان مشاعروں میں شرکت کر کے دلی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ مرادآباد جو یو پی کا چھوٹا سا شہر ہے جس کے لئے ہم جنوب کے لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ مرادآباد لکھنؤ کے مشرق میں ہے یا مغرب میں، جگر صاحب کے نام کے ساتھ "مرادآبادی" ہونے سے اس سے اچھی طرح واقف ہیں تاہم اگر مرادآباد کے میرے دوست ناراض نہ ہوں تو میں یہ کہوں گا کہ جگر صاحب کو جگر ہندوستانی کہا جائے۔ ان کے فن کا یہ کمال تھا کہ انھوں نے اُردو غزل کو تازگی اور شگفتگی بخشی، جگر کی غزلیں اس وقت تک گائی جائیں گی جب تک اُردو زندہ ہے، اس عظیم شاعر کی وفات سے اُردو کا ایک روشن ستارہ غروب ہو گیا۔

صدارتی تقریر کے بعد ہلال خاں صاحب اور استاد عثمان خاں صاحب دلّی کے مشہور موسیقاروں نے کلام جگر دلنشین انداز میں پیش کیا۔

آخر میں جنرل سکریٹری نے کہا میں خوش ہوں کہ اس سرزمین شعر و ادب جہاں آباد میں حضرت جگر مرادآبادی کو ان کے شایان شان خراج عقیدت پیش کیا گیا اور اراکین انجمن ترقی اُردو کے ساتھ وزیر و امیر، عالم و ادیب و شاعر اور خوش ذوق دلی والے سبھی شامل تھے، اور آپ لوگوں کے ذوق و شوق نے مجھے کام کرنے کا حوصلہ دیا۔ دلی مرحوم نہیں زندہ ہے اور اس کی روایات پائندہ ہیں۔ (اسسٹنٹ سکریٹری)

اُردو نظم کی زبان

انجمن اُردوئے معلّٰی (شعبۂ اُردو) کا ایک جلسہ زیرِ صدارت ڈاکٹر مسعود حسین خاں ۲۷ ستمبر ۱۹۶۱ء کو ہوا۔ اس جلسہ میں پروفیسر آلِ احمد سرور صدر شعبۂ اُردو نے اپنا مقالہ "اردو نظم کی زبان" پڑھا۔ مقالہ سے پہلے سرور صاحب نے موضوع سے متعلق بعض اہم اور بنیادی مسائل کی وضاحت کی۔ انھوں نے کہا کہ "میں عرصے سے اس مسئلہ پر غور کر رہا ہوں کہ ہماری شاعری میں بعض عناصر کی کمی ہے۔ شاعری میں بعض عناصر کی کمی کے احساس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اُردو شاعری کے ماضی سے دل برداشتہ یا حال سے مایوس ہوں لیکن ان کی کمی کے اسباب پر غور کرنے اور ان کی تلافی کرنے کے جذبے کو صحت مند اور ضروری سمجھتا ہوں۔ ہماری شاعری میں اگرچہ دوسری اصناف کو بھی برتا گیا ہے اور ان میں قابلِ قدر کارنامے تخلیق کئے گئے ہیں لیکن ہمارے شعری مزاج و کردار پر غزل کے اثرات نمایاں رہے ہیں۔ غزل کی بعض کمزوریاں یا خامیوں کی نشاندہی کرنے یا ان پر اعتراض کرنے سے میری مراد یہ نہیں کہ میں اس صنف کو "گردن زدنی" سمجھتا ہوں یا اس کے جادو، تاثیر اور عظمت کا منکر ہوں۔ مقالہ کے موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے سرور صاحب نے کہا کہ "اس مقالہ کا موضوع اُردو نظم کی زبان ہے۔ اس مقالے کے دو حصے ہوں گے۔ پہلے حصے میں، جو آج میں آپ کے سامنے پڑھوں گا، عمومی طور پر اُردو شاعری کی روایات اور رجحانات اور خاص طور سے اُردو نظم کے فروغ وارتقاء سے بحث کی گئی ہے۔ اس حصے میں مثالوں سے میں نے قصداً گریز کیا ہے، دوسرے حصے میں اردو نظم کے آغاز اور اس کے ارتقاء سے تفصیلی بحث کی جائے گی" اور آزاد اور حالی سے لے کر جدید دور تک کے نظم گو شعراء کے کلام سے مثالیں دی جائیں گی۔ اس تمہیدی تقریر کے بعد سرور صاحب نے اپنا مقالہ پڑھا۔ مقالہ میں انھوں نے اُردو شاعری کی روایات، غزل کی مقبولیت اور دوسرے اصناف پر اس کے اثرات، اردو نظم کے آغاز و ارتقا اور رجحانات کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ بتایا کہ ہمارے یہاں نظم کی ابتدا غزل کے زیرِ اثر ہوئی جس کے نتیجے کے طور پر نظم میں زبان اور لہجہ کی وہ تمام خوبیاں اور خامیاں بھی آگئیں جن سے غزل عبارت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال سے لے کر آج تک کے نظم گو شعرا کی نظموں پر غزل کی زبان اور لہجہ کا اثر نمایاں ہے۔ ہمیں نظم کی اپنی زبان اور لہجہ کے لئے سعی کرنا چاہئے اس کے لئے ہمیں اپنے تہذیبی سرمائے کے جاندار عناصر کو اپنے مزاج اور شخصیت کا جز بنانا ہوگا اور عوام کی زبان سے اور زیادہ فائدہ اٹھانا ہوگا۔ انھوں نے مقالہ میں بتایا کہ انیس، غالب اور اقبال کی زبان ایک معنی میں کتابی ہے اسی لئے آج کے شعراء میر اور نظیر کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ T.S. Eliot کے مضمون "Three voices of Poetry" کا حوالہ دیتے ہوئے سرور صاحب نے کہا کہ شاعری کی پہلی آواز جس میں شاعر خود سے باتیں کرتا ہے بڑی حد تک اور دوسری آواز جس میں شاعر کسی کو خطاب کرتا ہے کسی حد تک غزل میں آسکتی ہے لیکن شاعری کی تیسری آواز جس میں کسی کردار کی تخلیق کی جاتی ہے، اور اس کے ذریعہ سے حیات و کائنات کے مسائل پر غور کیا جاتا ہے صرف نظم میں ممکن ہے۔ اس لئے ہمیں آزاد اور بے قافیہ نظموں کے فروغ کی طرف خصوصی توجہ کرنا چاہئے اور اس کے لئے ہمیں تہذیب کے جامع تصور اور عوام سے اپنے رشتے کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔"

سرور صاحب نے اُردو شاعری کی زبان کو اور عام فہم بنانے پر زور دیا اور اس سلسلے میں قدما کی روش کو اپنانے کی ضرورت واضح کی۔ انھوں نے اُردو کے شعراء سے اپیل کی کہ وہ نظم کے ذریعہ سے موجودہ دور اور بدلتے ہوئے ہندوستان کی ہمہ جہت اور ہمہ رنگ زندگی کی عکاسی کریں اور اس کے لئے اپنی زبان کے شاندار سرمائے سے پورا پورا کام لیں۔ انھوں نے اُردو کے شاعروں سے فنونِ لطیفہ کے اصولوں سے آشنا ہونے خصوصاً موسیقی اور شاعری کے قریبی تعلق کو پہچاننے اور ہندوستانی موسیقی کی روح کو جذب کرنے کی بھی اپیل کی۔ مقالہ کے بعد بحث ہوئی جس میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر وحید اختر اور شہاب سرمدی نے حصہ لیا اور سرور صاحب نے بعض سوالات کے جواب دئے اور مقالے میں جن باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا ان کی تشریح کی۔ (حکیم محبوب عالم۔ سکریٹری)

ادبی نشست انجمن ترقی اُردو مالیگاؤں

مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۶۱ء کی شب میں احرار لائبریری ہال میں جناب محمد ابراہیم انگلا صاحب (پروفیسر ایم جی ایم کالج۔ مالیگاؤں) کی صدارت میں ایک ادبی نشست ہوئی جس میں ذیل کی تخلیقات پڑھی گئیں۔

۱۔ "ادب اور سماج" (مضمون) جناب ہارون احمد صاحب "ہم سب"
۲۔ "نذرِ عقیدت" بیاد بابائے اُردو (نظم) ناصر مالیگانوی۔
۳۔ "شادی کا سودا" (ڈراما) جناب نذیر احمد بی ایڈ
۴۔ "ہندی روپ" (مقالہ) حضرت قمر مالیگانوی

بعد میں پروفیسر دلنواز صدیقی (ایم جی ایم کالج مالیگاؤں) عابد انصاری، مجید سرور، پروفیسر عبدالحفیظ ایم۔ اے۔ کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی بحث و مباحثہ میں حصہ لیا۔ اور صدر مجلس پروفیسر ابراہیم انگلا صاحب نے اپنے خیالات سے رہنمائی کی۔ آخر میں مقامی انجمن کے صدر محترم حضرت مولانا عبدالحمید نعمانی صاحب نے "اردو زبان" کے لئے عملی کام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ (ناصر مالیگانوی سکریٹری)

ضروری اعلان

براہ مہربانی خط کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ منیجر

ہری ہانس میں انجمن ترقی اُردو (ہند) کا قیام

ہری ہانس (حصار) - ۲۴ ستمبر ۶۱ء کو ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کے مکان پر انجمن ترقی اُردو کے انعقاد کے لئے ایک نشست ہوئی۔ جس میں مندرجہ ذیل محبان اُردو کا انتخاب ہوا۔ اراکین کمیٹی نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ زبان اُردو کی مستقل بقا کیلئے حتی الامکان کوشش کریں گے نیز کمیٹی کے ممبران ہر ماہ ایک قلمی رسالہ جاری کرنے کی کوشش کریں گے۔

صدر : جناب ضمیر الدین صاحب ضمیر بی۔ اے۔

سکریٹری : جناب سبحان احمد صاحب ادیب بی اے۔

خازن : جناب احسان احمد صاحب متعلم میٹرک کلاس۔

دیگر ممبران خصوصی : مقصود احمد صاحب۔ بشیر محمد صاحب۔ بشیر احمد صاحب قریشی۔ سمیع الدین صاحب۔ صلاح الدین صاحب۔ اشرف علی صاحب۔ شمس الحق صاحب۔ محمود حسن صاحب۔ ضیاء الدین صاحب وغیرہ۔

انجمن ترقی اُردو (ہند) ہری ہانس کی آئندہ نشست ۲ اکتوبر کو ہوگی جس میں کمیٹی کے آئندہ پروگرام پر غور کیا جائے گا۔

(سبحان احمد۔ سکریٹری)

سہ لسانی (اُردو، ہندی، تلگو) مشاعرہ

دفاتر معتمدین حکومت آندھرا پردیش کے ادب دوستوں کی جانب سے ۹ ستمبر ۱۹۶۱ء کو ۹ بجے شب "نظام کلب" میں اُردو، ہندی اور تلگو کا ایک ملا جلا مشاعرہ منعقد ہوا جس کا افتتاح ریاست کے چیف منسٹر ڈی سنجویا نے کیا۔ رائے گنج بہاری لال آئی۔ اے۔ ایس جوائنٹ ڈیولپمنٹ کمشنر محکمہ منصوبہ بندی نے اس محفل کی صدارت کی۔ اہل ذوق حضرات کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

مسٹر ڈی سنجویا نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا ایسی محفلیں ہماری تہذیبی ترقی اور مختلف زبانوں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ سرکاری ملازمین کی جانب سے اس قسم کی ادبی و شعری محفلوں کا ترتیب دیا جانا لائق ستائش ہے کیونکہ ایسی شعری و ادبی تخلیقات سے سرکاری ملازمین کی کارکردگی اور ان کی صلاحیتوں کو نکھارنے میں یقیناً معاون ثابت ہوں گی۔ چیف منسٹر نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک شعراء کے کلام کو دلچسپی سے سُنا۔ چیف منسٹر نے جو خود بھی تلگو کے اچھے شاعر ہیں۔ شاعر اعظم کالی داس کے کلام کا تلگو ترجمہ سنایا۔ اس مشاعرے میں تلگو، اُردو اور ہندی کے ممتاز شعراء نے کلام سُنایا۔ اُردو کے شعراء میں علامہ حیرت بدایونی، مخدوم محی الدین، سلیمان اریب، بانو طاہرہ سعید، صلاح الدین نیر کے نام قابل ذکر ہیں۔ کنوینر مشاعرہ کے شکریہ پر یہ کامیاب مشاعرہ اختتام کو پہنچا۔

(صلاح الدین نیر)

جگسلائی اُردو کلب کا ایک جلسہ

جمعہ ۲۹ ستمبر ۶۱ء شام کے سات بجے جگسلائی اردو کلب کا ایک جلسہ جناب داؤد خاں کی صدارت میں ہوا۔ ایجنڈہ کے مطابق سب سے پہلے جنرل سکریٹری نے گذشتہ میٹنگ کی روداد پیش کی جو باتفاق رائے منظور ہوئی اور اس کے بعد حاضرین کے سامنے نیا دستور العمل پیش کیا گیا جو تھوڑی سی ترمیم و تنسیخ کے بعد منظور ہوا۔ نئے آئین کی رو سے جگسلائی اُردو کلب (سابق بہار مسلم کلب) قطعی ایک جمہوری ادارہ تسلیم کیا گیا جو قومی و بین الاقوامی پیمانہ پر اہم وجودیت کو تسلیم کرتا ہے اس لئے ہر وہ شخص جو اُردو دوست ہو بلا امتیاز نسل، مذہب، ملت کلب مذکور کا ممبر بن سکتا ہے۔

آئین کی منظوری کے بعد جناب شمس فریدی بحیثیت نائب سکریٹری منتخب کئے گئے اور جناب عبدالرؤف، جناب قمر حمید، جناب اقبال احمد، جناب منصور خاں، جناب کبیر حسن اور جناب صدیق گدی کو اراکین مجلس عاملہ کے لئے نامزد کیا گیا۔ صدر، جنرل سکریٹری اور دیگر عہدہ داروں کا انتخاب گذشتہ انتخابی جلسہ ہی میں ہو چکا ہے۔

(سید احمد شمیم۔ جنرل سکریٹری)

حیدرآباد ریڈیو سے اُردو میں علاقائی خبریں نشر کرنے کا مطالبہ

انجمن تحفظ اُردو آندھرا پردیش نے مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات اور ڈائرکٹر جنرل آل انڈیا ریڈیو کے پاس ایک یادداشت روانہ کرتے ہوئے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ نشرگاہ حیدرآباد سے ابھی تک اُردو میں علاقائی خبریں نشر کرنے کا انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ مسٹر چندر سری واستو معتمد انجمن نے ڈائرکٹر جنرل پر زور دیا ہے کہ وہ اُردو میں علاقائی خبریں نشر کرنے سے متعلق اپنے تیقن کو پورا کریں۔ یادداشت میں کہا گیا ہے کہ آل انڈیا ریڈیو کو مختلف ریاستوں کی لسانی پالیسی کی روشنی میں اپنے پروگراموں میں علاقائی زبانوں کو موثر نمائندگی دینی چاہیئے۔ تلنگانہ کے لاکھوں اُردو بولنے والوں کے اس مطالبہ کو نظر انداز کر دینا کوئی اچھی بات نہیں۔ مسٹر سری واستو کے بموجب ڈائرکٹر جنرل نے سال گذشتہ ریاستی حکومت سے بات چیت کے بعد ہمدردانہ فیصلہ کا وعدہ کیا تھا۔

مرتبہ رئیس مینائی (بنگلور)

ادبی استفسارات

در چمن ازکہ مراعات ادب واری چشم
بلبلاں مست و صبا بے خود و گل بے پروا

ادبی کام کرنے والوں کو ہمیشہ عوامی ذوق کے عامیانہ پن کا شکوہ رہا ہے اور ریاست میسور تو اس باب میں اہم رول ادا کر رہا ہے جہاں وہ اپنی شاندار روایات اور اعلیٰ خصوصیات کے لئے مشہور ہے وہاں اس لئے بھی بدنام ہے کہ اُس نے اپنے وطن کے جواہر پاروں سے بے اعتنائی اور ناقدری کی اور اہل میسور کا یہ رویہ تعجب خیز بھی نہیں کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ ہر ملک میں تقریباً صاحبان فن و کمال کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھا گیا ہے؟ ایسی صورت میں امام الفن حضرت نفیسؔ کی ذات گرامی اس کلیہ سے کیسے مستثنیٰ ہو سکتی ہے۔

موصوف اُردو کے نہ صرف ایک مایۂ ناز اور بلند پایہ شاعر تھے بلکہ فنی بصیرت، ژرف بینی، فکر و نظر کی گہرائی اور وسعت مطالعہ کے اعتبار سے زبان و ادب کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر رکھتے تھے یوں تو آپ فصاحت جنگ جلیل مانک پوری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے لیکن ان کے ذوقِ تجسس نے ادبی تسکین کے لئے، ریاضؔ خیرآبادی وسیمؔ خیرآبادی، یاسؔ عظیم آبادی، عزیزؔ لکھنوی، عزیز یار جنگ، آرزوؔ لکھنوی، زاہدؔ سہارن پوری، اطہرؔ ہاپوڑی، بِلؔ شاہجہانپوری، اثرؔ لکھنوی، نوحؔ ناروی، احسنؔ مارہروی اور ناطقؔ گلاوٹھی وغیرہم سے بھی مخلصانہ مراسم و تعلقات پیدا کر لئے موصوف نے ان یگانۂ روزگار اور مقتدر ہستیوں سے خوب استفادہ کیا اور فنی نکات اور ادبی گتھیوں کو سلجھایا اور اپنے تبحر علمی اور وسعت مطالعہ کا ان سے لوہا منوایا لیکن افسوس روشنی کا یہ مینار ۱۹۵۱ء میں جس نے اپنی ضیا پاشیوں سے ظلمت کدۂ ادب میں اجالا کیا گل ہو گیا۔ ع

"خورشید درخشندہ لے شعلۂ مستعجل بود"

ذیل میں موصوف کے افادات علمی اور اکتسابات ادبی میں سے چند گراں مایہ استفسارات مع جوابات کے قارئین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کئے جا رہے ہیں اس سے قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس "گمنام و ممتاز شاعر اور محقق فن" کا فنی اور ادبی پایہ کتنا بلند تھا ــــــ!

(۱) جوابات از فصاحت جنگ جلیل مانکپوری

سوال :- طغرے میں آ کے عدد لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- آ کے عدد لئے جائیں گے کیونکہ شوشے کے ساتھ لکھتے ہیں۔

س :- تائے مدورہ کے ۵ عدد لینا چاہئیں، یا چار سیکڑے (بحالت وقف وصل)

ج :- اولیٰ تو یہ ہے کہ پانچ عدد لئے جائیں لیکن فارسی شعرا نے دونوں طرح اس کا استعمال کیا ہے۔ یعنی پانچ عدد بھی لئے ہیں اور چار سیکڑے بھی لہٰذا جواز دونوں کا ہے۔

س :- ماشاء اللہ، انشاء اللہ ایسے الفاظ میں جن میں ہمزہ مستقل ہو ہمزہ کا ایک عدد لینا جائز ہے یا نہیں؟

ج :- ہمزہ کا عدد کسی نے نہیں لیا ہے۔

س :- عادۃً اور تذکرۃً میں جو منقوط ہیں تائے مدورہ کے چار سیکڑے لینا چاہئے یا ۵ عدد؟

ج :- ایسے الفاظ میں ت جس طرح لکھی جائے اسی طرح عدد لئے جائیں۔

س :- "اُف رے"، "اللہ رے"، کا استعمال مونث الفاظ کے ساتھ یائے معروف سے چاہئے، یا یائے مجہول سے جیسے اللہ رے اُف شوخی، یا اللہ رے اُف کی شوخی۔

ج :- یائے مجہول سے چاہئے۔ عورتوں کی زبان یائے معروف سے ہے۔

س :- جب نونِ ساکن کے بعد حرف ب واقع ہو تو اس کو عربی میں م سے بدل دیتے ہیں، اُردو میں ایسے الفاظ م سے لکھنا چاہئیں یا ن ب سے، مثلاً اچنبھا، یا اچمبھا،

ج :- اگر اُردو کے ایسے الفاظ بجائے ن، ب کے م سے لکھے جائیں تو ان کو غلط نہ کہنا چاہئے کیونکہ اُردو والے جو بولتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

س :- فعل حال جمع مونث غائب پر جب حرف نفی آئے تو اس کا استعمال بطور واحد چاہئے یا جمع، مثلاً ؎

ہلتی نہیں چمن میں ہوا سے یہ ڈالیاں
منہ چومتے ہیں پھول عروس بہار کا (امیرؔ مینائی)

مصرع اولیٰ میں ہلتی چاہئے یا ہلتیں؟

ج :- حرف نفی فعل سے مقدم آئے تو فعل کو جمع کرنا ہوگا جیسے ڈالیاں نہیں ہلتیں۔ اور اگر مابعد آئے تو فعل واحد ہی رہے گا جیسے ڈالیاں ہلتی نہیں۔

س :- چوری چھپکے صحیح ہے یا چوری چھپے۔

ج :- محاورہ چوری چھپے ہے۔

س :- یاں، واں، سدا، پر بھی لیکن، آشنا، ساں، صدا، سو وگرنہ، یہ الفاظ جناب کے یہاں متروک نہیں؟

ج :- ان میں سے کوئی لفظ متروک نہیں ہے۔

س :- مصرع تاریخ میں ہائے مختفی کو الف کے قافیوں کے ساتھ الف سے لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج :- مادۂ تاریخ میں یہ تصرف جائز نہیں، باقی بغیر مادے کے عام قوافی میں الف سے لکھنا جائز ہے اور کثرت سے مروج ہے۔

س :- دَس، بَس کا قافیہ، ہنس، پھنس کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ نون غنہ حرف قید میں شامل ہے یا نہیں؟

ج :- دس اور بس میں سین حرف روی ہے اور اس کے ماقبل حرف مفتوح کی قید ہے، نون غنہ حرف قید میں شامل نہیں لہٰذا دس، بس کے ساتھ ہنس پھنس کا قافیہ جائز ہے۔

س :- دیکھے سے پئے سے کہنا چاہئے یا دیکھنے سے یا پینے سے، اور ہر مصدر سے ایسا فعل بن سکتا ہے یا نہیں؟

ج :- دیکھے سے سیکھے سے۔ تو البتہ بولتے ہیں، باقی اور مصادر میں اس طرح کا استعمال سنا نہیں گیا۔

س:- ؎ اور دکھلائیں گے مضموں کی ہمیں باریکیاں
اپنی طبع نکتہ آرا کی فلک پیمائیاں (اقبال)
اس میں ایطائے جلی ہے یا نہیں مع وجہ تحریر فرمایئے۔

ج:- باریکی۔ پیمائی قافیہ صحیح ہے۔ اس میں الف و نون جمع کے لئے لائے گئے ہیں۔

س:- حسن کا لفظ مذکر ہے مگر مذکر ہو تو مذکر، مونث کا مضاف ہو تو مونث استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں۔ مثلاً حسن تدبر مذکر، حسن تدبیر مونث۔ مولف فرہنگ آصفیہ نے اسی طرح لکھا ہے۔

ج:- حسن مذکر ہے اور ہر حالت میں تذکیر ہی کے ساتھ مستعمل ہے جیسے حسن طلب، حسن سماعت وغیرہ۔

س:- سنہری صحیح ہے یا سنہرا؟

ج:- مذکر کے لئے سنہرا اور مونث کے لئے سنہری ہے البتہ دلی والے مذکر کے لئے بھی سنہری کہتے ہیں۔

س:- اس فقرے میں، دیمک ایک کیڑا ہے جو کتابوں کو چاٹ جاتا ہے۔ فعل مذکر صحیح ہے یا فعل مونث چاٹ جاتی ہے چاہیے۔

ج:- کیڑا کی وجہ سے مذکر کہنا ہے۔ اگر مونث کہیں تب بھی صحیح ہوگا۔

س:- بست و ششم کے عوض بست و شش، اور دسویں کے عوض دس استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں مثلاً ؎
بست و شش بھی سہ محرم کی۔ اور دس بھی سہ محرم کی

ج:- بست و شش صحیح ہے۔ اور دس بھی درست نہیں۔

س:- ؎ سوز ندگی نثار پتنگے کی موت پر۔ اس مصرع میں سوز ندگیاں، چاہیے یا سوز ندگی؟

ج:- سوز ندگی بھی صحیح ہے۔ میرا ایک شعر ہے:- ؎
نہ سمجھو چشم تر کو بے زباں تم • جلیل اک اشک میں سو داستاں ہے

س:- نہ ہے، خوشا۔ اردو ترکیب کے ساتھ آسکتے ہیں یا نہیں جیسے خوشا نصیبے وہ لوگ

ج:- اردو میں ایسے الفاظ کا لانا تکلف و تخریب اردو کے سوا کچھ نہیں۔

بقیہ

دیوان حضرت آسی سکندر پوری

اس کا مستحق ہے کہ اس کو وظیفۂ شام و سحر بنا لیا جائے اور ہر وقت لذت لے کر پڑھا جائے۔ اس میں کتنی تڑپ، کتنا والہانہ پن اور کتنی مستی اور سرشاری ہے۔

یہ نسخہ گورکھپور کے مشہور علم دوست رئیس مولوی سبحان اللہ صاحب نے سید صاحب کو ہدیہ کیا تھا، جس پر ان کا دستخط بھی ثبت ہے، دیوان کا نام انہی نے پہلے صفحہ پر ایمان سخن لکھا ہے اور اسی کو سید صاحب نے سادہ کاغذ پر بطور ٹائٹل کے نقل کر دیا ہے۔

ہم اب تک جناب آسی کو غازی پوری سمجھتے تھے، لیکن سید صاحب نے ان کو سکندر پوری لکھا ہے، سکندر پور بلیا میں ہے جو ہندوستان کے مشہور عالم اور خطیب جناب مولانا آزاد سبحانی کا مولد و مسکن ہے، ان کی زندگی کا بڑا زمانہ مدراس میں بھی گذرا ہے، اسی لئے غازی پوری اور سکندر پوری کے ساتھ وہ مدراسی بھی مشہور ہیں۔ برطانوی دور کے ضلعوں اور شہروں میں ایک بلیا بھی ہے، جو گورکھپور اور غازی پور کے کچھ حصوں کو کاٹ کر بنایا گیا ہے، سکندر پور پہلے غازی پور میں شامل تھا، اسی قدیم نسبت سے وہ غازی پوری بھی لکھے جاتے ہیں، اور مابعد کی تقسیم کے لحاظ سے وہ درحقیقت بلیاوی ہیں، ضرورت ہے کہ اردو زبان کے اس مشہور شاعر کی یاد میں سمن دریا سمین کے اس کشت زار کی سکندر پور میں کوئی مستقل یادگار قائم کی جائے، جس کو دیکھ کر شاعر کی یاد برابر تازہ ہوتی رہے۔ اس سلسلے میں انجمن ترقی اردو جو بھی مشورہ دے اس پر اہل بلیا کو پوری عقیدت و محبت کے ساتھ عمل کرنا چاہیے، آج جب کہ اردو و ہندی کے تمام اجلۂ شعراء کی ان کے وطنوں میں یادگاریں قائم کی جا رہی ہیں، کوئی وجہ نہیں ہے کہ حضرت آسی جیسے اردو کے بڑے اور عظیم شاعر کی ان کے وطن خاص سکندر پور میں کوئی یادگار قائم نہ کی جائے۔ اس قدر دانی و قدر افزائی و شاعر نوازی کے لئے پہلے اہل سکندر پور ہی کو آگے بڑھنا چاہیے، پھر ان کے بعد ہندوستان کی جد و جہد آزادی کے اولین مجاہد مولانا آزاد سبحانی کی یادگار قائم کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے، جن کو عرصہ تک ترک موالات و خلافت کی تحریک کے زمانے میں گاندھی جی کی رفاقت و ہم عنانی کا شرف حاصل رہا ہے۔

پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا